انتقال تناظر

ثنویت سے وحدت کی جانب

از

ڈاکٹر پیا ہیلرز

سویڈش سے تلخیص و ترجمہ:

افضال احمد قریشی

اس مضمون میں ہم چند دلائل کی بنیاد پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کریں گے کہ آج ہمارا دنیا کو دیکھنے اور سمجھنے کا جو مروجہ اندازِ علم و فکر ہے، اس میں ایک بڑی تبدیلی واقع ہو رہی ہے، اور یہ تبدیلی اتنی بڑی ہے کہ یہ ایک نیا تناظر..(paradigm).. تشکیل دے رہی ہے۔ ہم اس نئے پیراڈائم کو اپنے اس مضمون میں مجموعی تناظر..(The Holistic paradigm)..کا نام دیں گے۔

اپنے عہد کو سمجھنے کی کوشش:

ہمارا خیال ہے کے آج ہم ایک انتقال تناظر..(paradigm shift)..کے عمل سے گزر رہے ہیں اور اس وقت ہم دو تناظروں کے درمیان میں اس طرح کھڑے ہیں کے ہمارا ایک قدم ہمارے رائج الوقت پیراڈائم یعنی سائنسی پیراڈائم..(Scientific Paradigm)..میں ہے اور اگلا قدم آنے والے دوسرے یعنی مجموعی تناظر..(Holistic Paradigm)..میں ہے، جس کی طرف ہم بڑھ رہے ہیں۔ اگر ہم نے اس تبدیلی کے عمل اور اس کے نتیجے میں ہونے والی تبدیلیوں کو ابھی سے سمجھنے کی کوشش نہ کی تو خدشہ ہے کے ہم علمی و فکری انتشار کا شکار ہو جائیں گے اور زندگی کی حقیقتوں کو سمجھنے کے حوالے سے بھی ہماری ذہنی اُلجھنیں آج کی نسبت کہیں زیادہ ہو جائیں گی۔

لیکن اگر ہم ان تبدیلیوں پر نظر رکھتے ہوئے ان کو قابلِ فہم بنانے کی تگ و دو اور کوششیں کرتے رہیں گے تو ہمیں ان کے ضمن میں کوئی نہ کوئی مؤقف رکھنے کی آسانی بھی ہو گی اور ہم ان تبدیلیوں کے مدارج و مراحل کا تعین بھی کر سکیں گے۔ اور نتیجتاً کچھ ایسے نظریات کی تشکیل بھی ممکن ہو سکے گی جن سے ان تبدیلیوں سے فکر و عمل کی سطح پر نمٹا جا سکے۔

چار تناظر:

اس مضمون میں ابتداً میری کوشش یہ ہے کے اس وقت دنیا جس فکری اور نظری انتشار سے گذر رہی ہے اس کو ایک نظم و ترتیب دینے کی کوشش کروں۔ اس مقصد کے لیے میں نے موجودہ سوچنے اور سمجھنے کے اندازِ علم و فکر کی تاریخ کو چار..paradigms..میں تقسیم کیا ہے اور پھر ان کی تفصیل میں جاتے ہوئے ان کی خصوصیات پر روشنی ڈالی ہے۔ یہ چار..paradigms..درج ذیل ہیں:

۱:نامیاتی تناظر یعنی..(The Organic Paradigm)

۲:سائنسی تناظر یعنی..(The Scientific Paradigm)

۳: کلی تناظر یعنی..(The Holistic Paradigm)
۴: نونامیاتی تناظر یعنی..(The Neo-Organic Paradigm)

نامیاتی تناظر..(The Organic Paradigm):

ہمارا پہلا پیراڈائم نامیاتی تناظر..(Organic Paradigm)..ہے جسے عقائد پر مبنی یا مذہبی..paradigm..بھی کہا جاسکتا ہے۔ اس مذہبی..paradigm..سے پہلے اور بھی..paradigms..رہے ہیں، لیکن وہ ہماری اس بحث سے خارج ہیں۔ تاہم اس مذہبی..paradigm..کا زمانہ قبل از مسیح سے شروع ہوتا ہے اور تقریباً پندرھویں (۱۵۰۰)صدی تک رہتا ہے۔

اس..paradigm..کی خاص بات یہ تھی کہ انسان قدرت کو اور خاص طور پر کرۂ ارض کو ایک دھرتی ماں کے روپ میں دیکھتا تھا جو زندگی کی ضامن تھی اور انسانیت کی ضروریات پوری کرتی تھی۔ لیکن اس..paradigm..میں انسان کی بے بسی کی بھی ایک تصویر سامنے آتی ہے کہ انسان اپنے آپ کو قدرت کے سامنے مجبور محض پاتا تھا اور اس کی تمام تر بقا قدرت کے رحم و کرم پر تھی۔ انسان کا اس پر کوئی کنٹرول نہیں تھا اور کبھی کبھار یہی قدرت ایک ظالمانہ اور ناقابل اعتبار روپ بھی دھار لیتی تھی۔ چنانچہ زلزلے، سیلاب، خشک سالی، قحط اور اس طرح کی متعدد آفتوں کا بھی انسانوں کو سامنا رہتا تھا۔ یہ سوچ کہ یہ تمام مصیبتیں ہم پر قدرت کی طرف سے نازل ہوتی تھیں، بھی اسی..paradigm..کا حصہ تھا۔ اور قدرت کے انہی ناقابلِ اعتبار پہلوؤں اور مظاہر کا نتیجہ تھا کہ انسانوں نے یہ سوچنا شروع کیا کہ اپنی بقا اور ایک بہتر زندگی کے لیے انہیں ان قدرتی آفات سے کسی طور نمٹنا ہو گا اور ان پر کسی طرح کا کنٹرول حاصل کرنا ہو گا۔ اور در حقیقت ہمارا دوسرا..paradigm..یعنی سائنسی اور میکانکی تناظر انسان کی قدرتی قوتوں پر کنٹرول اور انہیں اپنے فائدے کے لیے استعمال کرنے کی انہی خواہشات کا نتیجہ ہے۔

تاہم اس پہلے یعنی نامیاتی پیراڈائم میں خدا اور خدا کا کلام ہی واحد سچائی سمجھا جاتا تھا۔ انبیا، پوپ اور پادری حضرات کو زمین پر خدا کی آواز گردانا جاتا تھا۔ اس زمانے میں کسی تنقیدی سوچ کا کوئی عمومی تصور نہیں ملتا کیونکہ ظاہر ہے کہ خدا اور خدا کے نمائندوں پر تو کوئی تنقید نہیں کی جاسکتی تھی، وہ تو صرف سچائی بیان کرتے تھے۔ علم کی دنیا ان سچائی کے بیانوں کو زبانی یاد کرنے تک محدود تھی۔ کرۂ ارض ایک زندہ..organism..سمجھی جاتی تھی اور اس پر موجود ہر شے کو ایک زندہ شے کے طور پر دیکھا جاتا تھا۔ زندگی کے اس تصور نے ہر شے کو دوسری شے کے ساتھ ایک رشتے میں منسلک کر رکھا تھا۔ سب کچھ اپنی آخری حقیقت میں ایک تھا، ایک اکائی کی شکل رکھتا تھا، خدا کی خدائی کا مظہر تھا اور مقدس تھا۔ نامیاتی پیراڈائم..(Organic Paradigm)..کی یہ خصوصیات آج بھی قدامت پسند معاشروں یا ان معاشروں میں جن پر مغربی تہذیب نے بہت زیادہ اثر نہیں ڈالا محسوس کی جاسکتی ہیں۔ ان کا تصورِ دنیا آج بھی بہت حد تک..organic..ہے۔ اس تصور دنیا کا انسان سے یہ تقاضا تھا کہ وہ اس نظم و ترتیب کو برقرار رکھے گا۔

سائنس اور صنعتی ترقی کی راہ میں رکاوٹ:

لیکن انسان قدرت کے سامنے محض ایک کھلونا بن کے رہنا نہیں چاہتا تھا۔ بلکہ وہ قدرت کو مسخر کرنا چاہتا تھا اور اُسے اپنے فائدے کے لیے استعمال کرنا چاہتا تھا، اس لیے یہ نامیاتی تناظر..(Organic Paradigm)..آنے والی سائنسی اور صنعتی ترقی کی راہ میں ایک رکاوٹ تھا۔ کرۂ ارض کے اندر چھپے ہوئے خزانوں، قیمتی دھاتوں اور توانائی کے وسائل کو زمین میں سے نکالنے کے لیے دھرتی ماں کے تصور کو تبدیل کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ انسان کا اس زمین اور قدرت کے ساتھ جو محبت، تعظیم اور تقدس کا رشتہ تھا وہ مجروح ہونا شروع ہوا اور نئے افکار و خیالات کی ترویج شروع ہوئی جو کہ بالآخر..Nature is dead..جیسے خیالات پر منتج ہوئی۔

سائنسی یا میکانکی تناظر:

پندرھویں اور سولہویں صدی کے دوران محققین اور سائنس دانوں نے اپنے وقت کی پہلے سے موجود اور مروجہ سچائیوں کو چیلنج کرنا شروع کیا۔ وہ حقائق جنہیں پہلے کسی تنقید و جرح کے بغیر قبول کر لیا جاتا تھا اور سچ سمجھا جاتا تھا، اب انہیں شک کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا۔ کائنات، دنیا اور انسان سے متعلقہ علم، فکر اور نظریات کو دیکھنے اور سمجھنے کے معیارات میں تبدیلی آنے لگی۔ اب ہر چیز کی پیائش کی جانے لگی اور ہر چیز کا وزن کیا جانے لگا۔ اس وقت کی کونیات..(Cosmology)..جس کے مطابق

ہماری زمین کائنات کا مرکز تھی کا جائزہ لیا گیا اور نتیجتاً کوپرنیکس، کیپلر اور گلیلیو نے زمین کو سورج کے مدار میں گردش کرنے والے ایک کرّے کے طور پر بیان کیا۔ مذہب کی دنیا میں ان نئے خیالات نے ایک ہلچل مچا دی۔ ان نئے خیالات کی بھرپور مخالفت کی گئی، لیکن مخالفتوں کے تمام تر آندھیوں اور طوفانوں کے باوجود نئے سائنسی نظریات اور افکار کی بنیاد پڑ گئی۔

بیکن، ڈیکارٹ اور سائنسی طریقہ کار:

آگے چل کر فرانسس بیکن اور ڈیکارٹ نے اس نئے سائنسی طریقہ کار..(Scientific Methodology)..کی بنیاد ڈالی جو آج تک رائج ہے۔ بیکن نے پہلی بار استقرائی طریقہ کار..(Inductive Methods)..کے اصول کو روشناس کروایا جس کے مطابق پہلے تجربات کیے جاتے ہیں، پھر ان تجربات سے حاصل کردہ معلومات سے عمومی نتائج اخذ کیے جاتے ہیں اور پھر نئے تجربات سے ان نتائج کی تصدیق یا تردید کی جاتی ہے۔ ڈیکارٹ نے سائنسی میدان میں ریاضیاتی اصول کو متعارف اور استعمال کرنا شروع کیا۔ اور اس کا مقصد یہ تھا کہ علم کو صحیح اور قطعی بنایا جائے۔ اور صحیح اور واضح طریقہ پر سوچا اور سمجھا جائے۔ چنانچہ ڈیکارٹ نے کہا کہ پہلے مسئلے..(problem)..کی تعریف..(definition)..کو متعین کر لیا جائے، پھر اس کو ایسے چھوٹے حصوں میں تقسیم کر لیا جائے جو واضح ہوں اور ایک دوسرے سے ممیز ہوں اور پھر ان کا مطالعہ کیا جائے۔ حاصلِ مطالعہ کو پھر دوبارہ عقل و دانش کی روشنی میں منطقی اعتبار سے یکجا کر لیا جائے۔ اس طریقہ کار کو..Atomism..یا..Fragmentation..کا طریقہ کار بھی کہتے ہیں۔ علم و تجزیہ کے اس اصول کے تحت کسی چیز کو اس کی جزیات میں تقسیم کر کے ایک ایک جزو کو علیحدہ علیحدہ دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہ ایک میکانکی طریقہ کار ہے۔ اس طریقہ کار کو ایسا فروغ حاصل ہوا کہ انسان نے کائنات اور قدرت کو بھی ایک میکانکی نظر سے دیکھنا شروع کر دیا۔ اور اس میکانکی نظر سے کائنات کو دیکھنے ہی کا یہ نتیجہ تھا کہ کائنات کو صرف ایک بڑی مشین کے طور پر دیکھا اور سمجھا جانے لگا۔ اس کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا، ایک مادہ اور دوسرے حرکت۔ سائنسدانوں کے لیے بس یہی دو چیزیں تحقیق و فکر کی دلچسپی کا مرکز بن گئیں۔ باقی خالق کائنات، روح اور انسان اور اس کے مقاصدِ حیات وغیرہ سب کو سائنس سے باہر اور علیحدہ کر دیا گیا اور سائنسی مباحث میں ثنویت کی بنیاد یہیں سے شروع ہوئی، جسے ڈیکارٹ نے واضح طور پر بیان کیا اور جس کا اطلاق آج تک کیا جاتا ہے۔ اور جس کے نتیجے میں ہم آج تک روح اور جسم، روح اور مادہ، فاعل اور مفعول، زبان اور بیان اور طبعی علوم اور سماجی علوم وغیرہ میں فرق کرتے ہیں اور ان کو علیحدہ علیحدہ دیکھتے اور بیان کرتے ہیں۔

انتشار وحدت:

اس نقطہ نظر کے نتیجے میں یہ ہوا کہ انسان نے کارخانۂ قدرت کو ایک مربوط و منظم نظام اور ایک ہم آہنگ اکائی کی شکل میں دیکھنے کے بجائے اس کے حصے بخرے کر کے اس کو سمجھنے کی کوشش کی۔ چنانچہ رنگ، خوشبو، ذائقہ، آواز سب کو علیحدہ علیحدہ کر دیا گیا اور بعد ازاں انہیں..mental projections..کہہ کر سائنس سے بالکل علیحدہ کر دیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اشیا ایک کل کے طور پر خود اپنی ذات اور ہیئت اور ماہیت میں بالکل بے معنی ہو کر رہ گئیں اور انسانی شعور میں اور علم و فکر کی دنیا میں اپنی روحانی قدر و اہمیت کھو بیٹھیں اور صرف اپنی مادی قدر اور حقیقت کے طور پر پہچانی، سمجھی اور پیش کی جانے لگیں۔ حقیقت اور قدر بھی وہ جس کی انسان کے بنائے ہوئے معیارات کے مطابق پیمائش کی جا سکے اور جسے تولا جا سکے۔ کائنات کو کیفیت پر ترجیح دی گئی۔ کائنات اور مظہر قدرت کو حصے بخرے کر کے دیکھنے اور سمجھنے کے اس انداز فکر نے اس میں موجود زندگی کے تصور کو جو کائنات کو ایک اکائی کے طور پر دیکھنے سے حاصل ہوتا ہے خاموش کر دیا۔ علم کو محض میکانکی اور ریاضیاتی بنا دیا گیا۔

مذہبی دنیا میں اس کے خلاف شدید ردعمل ہوا۔ مذہب نے ان نئے خیالات و تصورات کو قبول کرنے سے انکار کیا۔ لیکن ان دنیاؤں کو ساتھ ساتھ جینا تھا، یعنی مذہب کی دنیا اور سائنس کی دنیا۔ چنانچہ ایک خاموش اتفاق طے پایا جس کے نتیجے میں خدا اور روح مذہب کے حصے میں آئے اور مادے کو سائنس کے حوالے کر دیا گیا۔ اور یوں ڈیکارٹ کی ثنویت نے اپنی ایک مستقل جگہ بنالی۔ لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں تھا کہ سائنس سے متعلق لوگ مذہب یا خدا کے منکر تھے، بلکہ بالکل اُس کے برعکس۔ مثال کے طور پر کلاسیکل فزکس کے بانی آئزک نیوٹن کو لیجئے جنہوں نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ یہ ثابت کرنے پر صرف کیا کہ خدا ہے۔

انسان ایک حیاتیاتی مشین:

تاہم اس سائنسی اور مادی طرز فکر نے آنے والے چار سو سالوں میں اس تصور انسان کو جنم دیا کہ انسان بھی بس محض ایک حیاتیاتی مشین ہی ہے۔ اٹھارویں اور انیسویں

صدی میں اس تصور انسان نے اپنی گرفت کو مزید آہنی اور مضبوط بنالیا اور اس کے نتیجے میں سوشل سائنسز یا سماجی علوم بھی اس تصور انسان کی لپیٹ میں آنے لگے۔ چنانچہ علم نفسیات میں..Behaviorism..کی بنیاد ڈالی گئی۔ اور دیگر سوشل سائنسز کی بنیاد بھی اثباتیت..(Positivism)..کے نظریے پر رکھی جانے لگی۔ دیگر انسانی، معاشرتی اور سماجی علوم کے لیے بھی فزکس کے نظریات کو..norm..کے طور پر اپنایا جانے لگا۔

چنانچہ اس سائنسی یا میکانکی پیراڈائم میں علمی مطالعہ اور تحقیق کے عمل میں..fragmentation..کا عمل اختیار کیا جاتا ہے۔ جس کے تحت مطالعہ اور تحقیق کے لیے منتخب کی جانے والی حقیقت یا اشیا کو چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے اور پھر ان کا کلینیکل مطالعہ ہوتا ہے۔ ان اجزا کا مزید تجزیہ ہوتا ہے یہاں تک کے مادے کو ایٹم یا اس سے بھی چھوٹی اکائی کی سطح پر لا کر دیکھا جاتا ہے۔ پھر یہاں سے عمومی نتائج اخذ کیے جاتے ہیں اور ان نتائج کی روشنی میں نئی سچائیاں بیان کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

میکانکی اور بے جان تصور دنیا:

یہ تصور دنیا میکانکی اور بے جان ہے۔ یہ انداز فکر و تحقیق کائنات کو ایک بے جان اور میکانکی حقیقت تصور کرتا ہے۔ اور اس کا منفی پہلو یہ ہے کہ تجزیے کے اس عمل میں جزیات کی تقسیم در تقسیم کا عمل ان جزیات کو ان کی کلیات اور ان کے سیاق سے بالکل محروم کر دیتا ہے۔ ایک جزو اپنے کلیات کے بغیر بے جان ہی ہو گیا۔ اور یہ طریقہ کار بھی میکانکی ہے یعنی ہر طرح کی اخلاقیات سے عاری۔ چنانچہ مادہ ہی اس بے جان اور میکانکی طریقہ کار کی دلچسپی کا مرکز اور موضوع تحقیق تھا اور ہے۔ اس کے تحت ہر وہ شے جسے دیکھا اور چھوا جا سکے اسے ماپا جاتا ہے، اس کا وزن کیا جاتا ہے اور اُس سے متعلقہ معلومات کو دستاویزی شکل دی جاتی ہے۔ جن چیزوں کو دیکھا اور چھوا نہ جا سکے، ان کو اس پیراڈائم میں کوئی جگہ نہیں دی گئی۔ چنانچہ، خدا، روحانیات، روح اور نفسیات وغیرہ کو سائنس سے علیحدہ رکھا گیا۔ مادے کو صرف ایک شے..(object)..کی شکل میں دیکھنا اور تحقیق و مطالعے میں صرف معروضی طریقہ کار..(Objective Method)..کا استعمال اور اطلاق بھی اس پیراڈائم کی خصوصیت میں شامل ہے۔

خطی سوچ:

مزید برآں خطی سوچ..(linear thinking)..بھی اس پیراڈائم کے نتیجے میں پیدا ہونے والے اندازِ فکر کا حصہ ہے کہ جس کے تحت پیچیدہ مظاہر قدرت کو ان کے اسباب و نتائج کی روشنی میں دیکھنے کی اور سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے اور نئی سچائیوں کو سامنے لانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ تاہم اس تناظر میں مطالعہ فطرت و کائنات ایک یک رنگی اور یک رخی تصویر پیش کرتا ہے۔ یہ سمجھا جاتا ہے کہ ہر مظہر قدرت کا ایک سبب ہے اور سائنس کا کام اس سبب کو تلاش کرنا ہے۔ اسی تلاش کا نام سچائی کی تلاش رکھا جاتا ہے۔ اس عمل میں ہونے والی کامیابیاں حقیقتاً جزوی ہوتی ہیں لیکن انہیں ایک کلیات کے طور پر پیش کیا جاتا ہے اور یہ باور کروانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اس طرح ہم کائناتی حقیقتوں کا مکمل ادراک کر سکتے ہیں اور بالآخر آخری سچ تک پہنچ سکتے ہیں۔ یہ بھی باور کروانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اگر ہم نئے ریاضیاتی اور کمیتی طریقہ ہائے کار..(mathematical and quantitative methods)..بنانے اور وضع کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو ہم ہر مظہر فطرت کی تشریح اور تفہیم تک پہنچ سکتے ہیں۔

سائنسی پیراڈائم کا ناکافی، محدود اور رکاوٹ ہونا:

سائنسی پیراڈائم کے بنائے ہوئے سائنسی طریقہ تحقیق و مطالعہ کا ایک بڑا مسئلہ یہ ہے کہ یہ طریقہ کار مادے کے مطالعہ کے لیے بنایا گیا ہے۔ اور اس لیے جب اس طریقہ کار کو انسان، زندگی، شعور، نفسیات اور ان جیسے موضوعات سے متعلقہ علوم کے مطالعہ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے تو کئی طرح کے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں ای۔ ایف۔ شوماخر (۱۹۸۶) کا نام قابل ذکر ہے جنہوں نے ان مسائل کی نشان دہی بڑے عمدہ طریقے پر اور بڑی کامیابی سے کی ہے۔ اور یہ تحقیقِ فکر و عمل کا وہ مقام ہے جہاں ہم آج کھڑے ہیں، یعنی تحقیق و مطالعہ اور غور و فکر کے لیے موجودہ مروجہ سائنسی طریقہ کار ناکافی ہے اور بعض اوقات ایک بڑی رکاوٹ۔ اس لیے ہمیں نئے سائنسی طریقہ کار تشکیل دینے کی ضرورت ہے۔

چشم ارض اور چشم ذہن:

کین ولبر..(Ken Wilber)..جو کہ ایک فلسفی ہیں کئی کتابوں(۱۹۸۳، ۲۰۰۳) کے مصنف ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے آج تک دنیا کا مطالعہ ایک زمینی آنکھ..(The Eye of Earth)..سے کیا ہے، لیکن آج کے انسان میں نئی صلاحیتیں بیدار ہو رہی ہیں اور اب اس نے اس دنیا اور کائنات کو ذہن کی آنکھ(The Eye of Mind) سے بھی دیکھنا شروع کر دیا ہے۔ انسان کی ان نئی صلاحیتوں کے باعث نفسیاتی ابعاد..(psychological dimensions)..، جیسے زندگی، شعور اور نفسیات وغیرہ کا مطالعہ ممکن ہو گیا ہے۔

چشم روح:

اب اگلا قدم جو کہ لازمی نتیجہ ہے..The Eye of Earth..اور..The Eye of Mind..کے امتزاج کا،وہ..The Eye of Spirit..ہے یعنی ایک روحانی نقطہ نگاہ سے انسان اور کائنات کو سمجھنے کی کوشش۔ یہ وہ انسانی صلاحیت ہو گی جس کے باعث خالق کائنات کی پہچان اور روح جیسے تصورات اور ان سے متعلق علوم کا عرفان ممکن ہو جائے گا۔ چشم روح..(The Eye of Spirit)..کے باعث ہم علوم کی تمام سطحوں پر تحقیق کر سکیں گے، یعنی مادے کے علاوہ غیر مادی،..paranormal..، نفسیاتی اور روحانی سطحوں پر بھی اشیا اور مظاہر کی ہیئت وماہیات اور حقیقت کو سمجھا جا سکے گا۔ اور دلچسپ امر یہ ہے کہ تمام تر پیشرفت اسی سمت میں جاتی نظر آ رہی ہے اس کی علامتیں اور اثرات ابھی سے دیکھے اور محسوس کیے جا سکتے ہیں۔

ہوواڑد گارڈنر..(Howard Gardner)..جو کہ علم التعلیم کے پروفیسر ہیں اور جنہوں نے ذہانت معتدد..(Multiple Intelligence)..کا نظریہ پیش کیا ہے۔ اپنی نئی تصنیف میں دیگر.. intelligence .. کے ساتھ ساتھ ایک فطرتی ذہانت.. (natural intelligence).. اور وجودیاتی ذہانت .. (existentiel intelligence)..کا ذکر بھی کیا ہے۔ تاہم انہوں نے نئی..intelligence..کو روحانی ذہانت..(spiritual intelligence)..کہنے سے فی الحال اجتناب کیا ہے اور وہ اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ ابھی انسان نے ایسے سائنسی طریقے اور معیارات ایجاد نہیں کیے ہیں جن کے ذریعے سے اس..intelligence..کو ماپا جا سکے۔ ۱۹۸۰ء کی دہائی کے آخیر میں دو محققین جان میئر..(John Mayer)..اور پیٹر سیلووی..(Peter Salovey)..نے جذبی ذہانت..(Emotional Intelligence)..کا ایک نیا نظریہ پیش کیا جسے ڈینئل گولمین..(Daniel Goleman)..نے اسی نام کی اپنی کتاب میں بڑے عمدہ طریقے سے بیان کیا ہے۔ ڈینا ذہر..(Danah Zohar)..جس نے روحانی ذہانت..(Spiritual Intelligence)..کی اصطلاح وضع کی ہے اپنے ایک ساتھی محقق ایئن مارشل..(Ian Marshal)..کے ساتھ مل کر روحانی ذہانت..(Spiritual Intelligence)..کے موضوع پر تحقیقی کام کیا ہے۔ ان دونوں محققین کے مطابق، یہ انسان کی منتہائی ذہانت..(Ultimate Intelligence)..ہے۔ انہوں نے روحانی ذہانت کی وضاحت کے لیے کچھ اصول اور اس کے کچھ اوصاف بھی بیان کیے ہیں، جن میں خود شناسی کی صلاحیت، دوسرے انسانوں کے دکھ درد کا احساس اور مثبت سوچ وغیرہ شامل ہیں۔

ان کے علاوہ اسی موضوع پر سنڈی وگلزورتھ..(Cindy Wigglesworth).. بھی ایک قابل قدر نام ہے۔ یہ..EQ..اور..SQ..کی تطبیقی سطح اور عملی نوعیت کی ماہر ہیں۔ ان کے خیال میں انسان کی روحانی اور جذباتی ذہانت کو بہتر بنا کر بہترین نتائج حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ انہی خیالات اور اسی فکری روش کو سوزینا..(Susanna).. اور مارٹن ایہڈن ..(Martin Ehdin)..نے آگے بڑھایا ہے اور انہوں نے اپنی تصنیف..HQ—The Human's Holistic View..میں..IQ..اور..EQ..اور..SQ..کا ایک خوبصورت امتزاج پیش کیا ہے۔ محققین کے اب بہت سے ایسے گروپ بھی وجود میں آ رہے ہیں جنہوں نے روحانی سائنس..Spiritual Science..کے مباحث بھی شروع کر دیے ہیں، مثال کے طور پر فلسفی اور مصنف مارٹی نس ٹامسن..(Martinus Thomson)..کا گروپ جس میں خود پیا(اس مضمون کی مصنفہ) بھی شامل ہیں۔

موجودہ انتقال تناظر..(paradigm shift)..کے بارے میں آپ کی موجودہ مصنفہ اور اس کے ساتھ دیگر محققین کا خیال ہے کہ ہم آج تبدیلی کے جس عمل یعنی انتقال تناظر سے گزر رہے ہیں، وہ اتنی ہی بڑی تبدیلی ہے جتنی کہ اس سے پہلے پندرھویں اور سولہویں صدی میں واقع ہوئی تھی۔ اپنے خیالات کی صحت کے لیے آپ کی موجودہ مصنفہ نے تصدیق کے لیے کئی محققین کے حوالے پیش کیے ہیں، جن کی کچھ تفصیل اس مضمون کے آخر میں مل جائے گی۔

پچھلی صدی کے آغاز ہی میں علم وفکر اور تحقیق کے میدان میں دلچسپ خیالات سامنے آنا شروع ہو گئے تھے۔ مثال کے طور پر فرائڈ ہی نے، جو کہ اگرچہ دونوں قدموں کے ساتھ سائنسی پیراڈائم میں کھڑے نظر آتے ہیں، پھر بھی اس نئے انسانی نظریے کی بنیاد ڈالی جس کے تحت انسان کے شعور، تحت الشعور، اس کے بچپن، بلوغت اور

خواب اور اُن کا حقیقی زندگی سے تعلق جیسے موضوعات کو علمی و تحقیقی مطالعہ کا موضوع بنایا۔ فرائڈ کے کام ہی کے نتائج میں..Object-Relation Theory.. اور ..Affiliation Attachment Theory..کے مکاتب فکر وجود میں آئے جن کے مطابق ماں اور نوزائیدہ بچے کا تعلق اس بچے کی آنے والی زندگی میں نشوونما اور پرورش میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے، اور یہ دوسرے انسانوں کے ساتھ تعلقات ہیں نہ کہ انسان کی کوئی اندرونی صلاحیتیں جو کہ انسان کی زندگی میں فیصلہ کن رول ادا کرتی ہیں۔ انسان ایک مکمل سیلف یعنی خودی کے ساتھ پیدا ہوتا ہے۔ یہ نظریہ تحلیل نفسی کے میکانکی نظریے کے بالکل برعکس ہے جو کہتا ہے کہ انسان کے اندر کچھ تخریبی محرکات ہوتے ہیں اور سیلف کو پنپنے کے لیے موزوں اور مناسب حالات کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ کمزور پڑ جاتے ہیں۔ یہ نظریہ..Behaviourism..کے خالی تھیلے..(Empty Bag)..اور..Selfless Self..کے نظریے کے بھی برعکس ہے۔

کل پر نظر۔۔ سسٹم تھیوری

سسٹم تھیوری نے، جو کہ ایک حیاتیات دان لڈوگ فان برٹالنفی..(Ludwing von Bertalanffy)..نے ۱۹۲۰ء میں پیش کی تھی، بہت سے نہایت دلچسپ اور قابل استعمال نظریات اور ایسے طریقہ ہائے کار کی بنیاد ڈالی ہے جو علم التعلیم، سوشل ورک، تحلیل نفسی اور نفسیاتی علاج وغیرہ کے لیے بہت کار آمد ثابت ہوئے ہیں۔ سسٹم تھیوری کی خاص بات یہ ہے کہ یہ کل پر زور دیتی ہے، اجزا کے باہمی تعلقات کو نظر میں رکھتی ہے، پورے ڈھانچے اور سانچے کا خیال رکھتی ہے اور تعلقات باہمی کو اہمیت دیتی ہے، خاص طور پر جب کہ انسان کو سمجھنے کی بات ہو یا اس کے ارتقا کے مباحث زیر غور ہوں۔ اس نظریے کے مطابق سسٹم کے اندر کارفرما تمام اجزا ایک دوسرے کو متاثر کرتے ہیں۔

یہ بات تاریخی تجربے سے حاصل ہونے والے اعتماد سے کہی جاسکتی ہے کہ انسان اور انسانی معاملات سے متعلقہ سوالوں کے جواب یا مسائل کے حل نہ تو آسان ہیں اور نہ سادہ۔ اس لیے خطی نکتہ نظر سے ہم کسی بھی واضح اور صحیح نتیجے تک نہیں پہنچ سکتے۔

فزکس کی دنیا میں ۱۹۲۰ء میں کوانٹم فزکس کے نظریات پیش ہوئے جن کے مطابق تحقیق شدہ مواد کوئی معروضی سچ..(objective truth)..نہیں ہوتا بلکہ محقق بھی اس پر اثرانداز ہوتا ہے یعنی تحقیقی نتائج کا انحصار محقق، ذرائع تحقیق اور مواد کے باہمی تعلق پر بھی ہوتا ہے۔

کوانٹم نظریے اور مشرقی افکار میں مماثلت:

فرٹ جوف کاپرا..(Fritjof Capra)..ایٹمی اور نظری فزکس میں ڈاکٹریٹ رکھتے ہیں اور ایک بڑے ادارے سے بھی منسلک ہیں جو نئی ماحولیاتی رویا کے لیے کام کر رہا ہے۔ وہ اپنی کتاب..(197) The Tao of Physics..کے باعث بڑی شہرت رکھتے ہیں۔ انہوں نے کوانٹم فزکس کے حوالے سے اپنے نظریات پر بات کرتے ہوئے کہا ہے کہ کوانٹم نظریہ اور مشرقی افکار میں بیحد مماثلت ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ کوانٹم فزکس سے متعلقہ تحقیقی کام کا انحصار پوری مجموعی صورت حال پر ہوتا ہے۔ اس صورت حال میں محقق اور محقق کا نظریہ کائنات بھی شامل ہے۔ ان کی کتاب کے سویڈش اڈیشن کے تمہیدی صفحات میں عمرانیات کے پروفیسر جوکیم اسرائیل..(Joachim Israel)..لکھتے ہیں کہ ہمیں اب ان خیالات سے احتراز برتنا چاہیے کہ ہم ایک فاعل..(Subject)..ہیں اور دنیا ایک مفعول..(Object)..ہے۔ ہمیں یہ خیالات بھی ترک کر دینے چاہئیں کہ دنیا ہم سے باہر کہیں موجود ہے۔ ہم اس دنیا کے قابل اطمینان بیان کا احاطہ اور اظہار کرنے سے بھی قاصر ہیں۔ اس مسئلے کا حل یہ ہے کہ ہم خود کو ہمیشہ فاعلی حالت اور دنیا کو مفعولی حالت میں دیکھنے کے اس دوئی پر مبنی رویے کو ختم کریں اور وحدت پر مبنی نقطہ نظر اور نظریات کا از سر نو جائزہ لیں کہ جن کے تحت ہم اور دنیا ایک وحدت کے طور پر دیکھے جاتے ہیں اور ایک اکائی شمار ہوتے ہیں۔

نئی روحانیات ..(New Spiritualism)..کے نظریے نے اٹھارہویں صدی کے اختتام میں بتدریج نشوونما پانی شروع کی۔ اس کے ساتھ ساتھ تھیوسوفی (Theosophy) وجود میں آئی۔ اور مادام بلاواٹسکی..(Madam Blavatsky)..اور رڈولف اسٹائنر..(Rudolf Steiner)..کے نظریات سامنے آئے۔ انیسویں صدی کے آغاز میں ..Anthroposophy..کا آغاز ہوا۔ ۱۹۳۲ء میں ڈنمارک کے فلسفی مارٹی نس ٹامسن..(Martinus Thomson)..نے اپنی پہلی کتاب شائع کی، جس میں انہوں نے ایک نئی کونیات..(Cosmology)..اور ایک نیا تصورِ دنیا پیش کیا۔ اب یہاں سے علم و فکر کی دنیا میں کئی محاذوں پر ایک نیا فکر جنم لیتا ہے اور کلیات پر مبنی ایک نئے پیراڈائم کا آغاز ہوتا ہے۔

کلی تناظر..(The Holistic Paradigm):

اس پیراڈائم کی خاص بات یہ ہے کہ اس کے مطابق ہر چیز ایک وحدت میں منسلک ہے، ایک اکائی ہے اور ایک کل کا حصہ ہے۔ اس کل کا ہر جز دوسرے جز پر اس طرح انحصار کیے ہوئے ہے کہ ایک جز میں تبدیلی تمام دوسرے اجزا میں تغیر کا باعث بنتی ہے۔ یہ کُل دائماً متحرک ہے۔ تمام نظام میں ایک ربط وضبط اور تسلسل ہے اور کوئی جز دوسرے اجزا کے بغیر اپنا کام ٹھیک طور پر نہیں کر سکتا، حتیٰ کہ طویل المیعاد تناظر میں اپنا وجود بھی برقرار نہیں رکھ سکتا۔ اور اس لیے حقیقت کے مطالعہ کے لیے اس پیراڈائم میں اجزا کا نہیں بلکہ کلیات کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ حقیقت کو ٹکڑوں میں تقسیم کرنے کے بجائے ان ٹکڑوں کے باہمی تعلقات پر نظر رکھی جاتی ہے۔ چیزوں کو اُن کے پس منظر اور سیاق میں رکھ کر دیکھا جاتا ہے۔ اس میں تجزیے..(analysis).. کے بجائے تالیف..(synthesis).. کو ترجیح دی جاتی ہے اور سارے کے سارے پروسیس کو دیکھا جاتا ہے۔ زندگی کو سمجھنے کے لئے اجزا کے بجائے پورے پورے تصورات کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ اس پیراڈائم میں محققین حقیقت کو ایک مفعول.. (object).. کی شکل میں دیکھنے کی بجائے اس حقیقت کی دنیا میں اتر کر، اس کے اندر رہ کر اس کا مطالعہ کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر سماجی ماہرین بشریات..(social anthropologists)..، حیات کار کے افعالی محققین..(Actions Researchers in Working Life).. اور ماہرین تعلیم وغیرہ۔ اس پیراڈائم کے تحت محققین کو اس بات کا علم بھی ہوتا ہے کہ وہ جن حقیقتوں کا مطالعہ کرتے ہیں وہ خود بھی اس کا ایک حصہ ہیں۔ اس بات کو تسلیم کیا جاتا ہے کہ تحقیقی کام کے لیے اختیار کیا گیا طریقہ کار اس تحقیقی کام کے نتائج کو متاثر کرتا ہے۔ محققین کا نقطہ نظر اور تحقیقی کام کا تجربہ بھی اُن کے کام کو متاثر کرتا ہے۔

محوری سوچ اور نظامیاتی سوچ..(Circular Thinking and System Thinking):

اس پیراڈائم کے تحت یہ شعور بھی پیدا ہوتا ہے کہ حقیقت کا مطالعہ محض "سبب اور اُس کا نتیجہ" کے اصول کو ہی سامنے رکھ کر نہیں کیا جا سکتا بلکہ حقیقت اس سے زیادہ پیچیدہ ہوتی ہے کہ محض اس خطی سوچ..(linear thinking).. سے کسی خاص نتیجے تک پہنچا جا سکے۔ اس لیے اب محوری سوچ..(circular thinking).. اور نظامیاتی سوچ..(system thinking).. کی اصطلاح بھی استعمال کی جا رہی ہے جس کے تحت علمی و فکری مطالعہ کے لیے کسی حقیقت کو اس کے چھوٹے حصوں.. (components).. میں تقسیم کر کے دیکھنے کے بجائے اس کے سارے سسٹم پر نظر رکھی جاتی ہے اور اس کی کلیات کو دیکھا جاتا ہے اور اجزا کو ان کے کُل کے سیاق سے علیحدہ کر کے نہ دیکھا جائے کیونکہ اجزا ایک دوسرے سے منسلک ہوتے ہیں اور ہر جز دوسرے جز کو متاثر کرتا ہے۔ مثال کے طور پر ہمیں علم ہے کہ تعلیم کے عمل میں معلم، متعلمین، مدرسہ اور ان کا مکتب فکر ہر ایک دوسرے متاثر کرتا ہے۔ ایسا ہی سوشل ورک کے حوالے سے بھی ہے۔ ایسا ہی طب کی دنیا میں بھی ہے یعنی معالج، علاج، مریض اور معالج کا طبی نقطہ نگاہ سب ایک دوسرے کو متاثر کرتے ہیں اور نتائج پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس لیے پورے نظام یا سسٹم یا پروسس کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔

سائنس کا مقصد اب صرف سچائی پر مبنی علم کی تلاش ہی نہیں ہے بلکہ حقیقت کی تصویر کو تخلیق اور تعمیر کرنا بھی ہے۔ اس لیے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ علم دراصل حقیقت کے بیان کی ایک سماجی تشکیل..(socail construction).. ہے جو حقیقت کے ساتھ ایک تعلق استوار رکھ کر ہی بنایا جا سکتا ہے اور جس کے بیان کو الفاظ، زبان، تصورات، ہر چیز متاثر کرتی ہے۔ تحقیقی کام کا مقصد بنیادی طور پر یہی بنتا ہے کہ یہ معلوم کیا جائے کہ کسی بھی تصور حقیقت یا بیان حقیقت کی سماجی تشکیلات..(social constructions) کیسے اور کن شرائط پر بنتی ہیں۔

فرٹجوف کاپرا..(Fritjof Capra).. نے اپنی کتاب..Uncommon Wisdom..(حکمت کمیاب) میں اپنے ان تجربات و تصورات کا ذکر کیا ہے جو انہوں نے دنیا کے مفکرین و محققین کے ساتھ ملاقاتوں کے دوران حاصل کیے۔ ان سب کا کہنا ہے کہ اسی طرح کا انتقال تناظر..(paradigm shift).. دیگر علوم جیسے فزکس، نفسیات اور ماحولیات وغیرہ میں بھی ہو رہا ہے۔ کین ولبر..(Ken Wilber).. جو کے ہمارے وقت کے بڑے مفکرین میں شمار ہوتے ہیں، اپنی کتاب.. The Holographic Paradigm..میں ایسے کئی فلاسفروں اور سائنسدانوں کا ذکر کرتے ہیں جن کی تحقیقات ایک نئے پیراڈائم اور ایک نئے..world view.. کی طرف اشارات دے رہی ہیں۔ یہ بات سامنے آ رہی ہے کہ..Holographic World View..اور مغرب و مشرق دونوں کی..Mystical Traditions..میں قابل ذکر مماثلتیں نظر آ رہی ہیں۔ ولبر نے جن کی نظر بیالوجی اور کیمسٹری کے علوم کے علاوہ فلسفہ اور مذہبیات پر بھی ہے اور جو روحانیت کی عملی مشقوں سے بھی متعلق رہے ہیں، اپنی کتاب..A Brief History of Everything..میں دنیا، زندگی اور شعور کی اقسام و اشکال اور انسانی زندگی کو متاثر کرنے والے تمام بڑے افکار کا بہترین جائزہ پیش کیا ہے۔ علم التعلیم کے میدان میں بھی اسی نوعیت کی تبدیلیاں ہو رہی ہیں۔ یہاں پر "تدریس سے آموزش کی جانب" یعنی from teaching to

learning" کو ایک پیراڈائم شفٹ کہا جارہا ہے۔

کلی تناظر..(Holistic Paradigm)..آخری تناظر نہیں ہے:

اس کے علاوہ کئی مصنفین جن میں ایک قابل ذکر نام میکس کیک..(Max Kack)..کا ہے یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ نیا پیراڈائم جس کا کہ اب آغاز ہو رہا ہے اور جسے ہم یہاں کلی تناظر..(Holistic Paradigm)..کا عنوان دے رہے ہیں، یہ ارتقائی عمل کا کوئی آخری پیراڈائم نہیں ہے۔ بلکہ ان کے مطابق اس پیراڈائم کی بنیادیں ابھی بھی صرف مادیت پرستانہ..(materialistic)..ہی ہیں، یعنی بہت حد تک یہ بھی میکانکی ہی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس پیراڈائم کے مطابق بھی مادے سے اوپر کوئی بڑی شعوری قوت، کوئی خالق یا کوئی خدا موجود نہیں ہے۔ دوسرے الفاظ میں ابھی تک ایسے کوئی واضح بیانات دیکھنے میں نہیں آئے جو کسی خالق کی موجودگی کا پتہ دیتے ہوں یا کسی ایسے اعلیٰ شعور کی کامل قوت کو ثابت کریں جو تخلیقی عمل کرتی نظر آرہی ہوں۔

ایک نیا نامیاتی تناظر (A New Organic Paradigm):

لیکن اگر انتقال تناظر کا یہ نظریہ اسی نہج پر ارتقاپذیر ہوتا گیا تو ہمیں نہ صرف اپنے موجودہ تصور دنیا کا از سرِ نو جائزہ لینا پڑے گا بلکہ ایک ایسی قوت کا اعتراف بھی کرنا پڑے گا جسے ہم آج کی زبان میں "خدا" کہتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں ہم پرانے نامیاتی تناظر..(Organic Paradigm)..کی طرز پر لیکن ایک نئے نامیاتی تناظر..(A New Organic Paradigm)..سے دنیا کو سمجھیں گے اور ایک خالق یا تمام شعوری قوتوں سے اعلیٰ اور بلند تر قوت کو بھی بالآخر تسلیم کریں گے۔

جیمز لو۔لاک..(James Lovelock)..اپنی کتاب..Gaia: A New Look at Life on Earth (1979)..میں کہتے ہیں کہ یہ کرۂ ارض ایک زندہ مخلوق..(Living Organism)..ہے۔مارٹی نس نے اپنی کتاب..The Book of Life..میں اسی موضوع..(theme)..کا تفصیلی تجزیہ کیا ہے۔اپنی کونیات..(Cosmology)..کا بیان کرتے ہوئے وہ بڑے مدلّل طریقے سے ان روحانی قوانین، تخلیقی عمل اور قادر مطلق اور ہر شے پر قادر خدائی کا ذکر کرتے ہیں جو کائنات کی ہر شے پر غالب ہے اور جس کے غلبے میں تمام کائنات، کہکشائیں، انسان اور دیگر حیات کی تمام اقسام زندگی گزار رہی ہیں۔مارٹی نس نے جن فطری روحانی قوانین کا ذکر کیا ہے، ان میں زندگی کا ابدی ہونا، عمل کی بنیاد پر جزا و سزا وغیرہ شامل ہیں۔ تاہم اس تمام ارتقائی عمل کے متعلق ہمارا علم بہت محدود ہے اس لیے ان مفروضات اور نظریات کے حوالے سے بہت سے علمی و فکری کام کی اشد ضرورت ہے۔

تاہم کچھ مصنفین کا جنہوں نے مارٹی نس کی کونیات..(Cosmology)..کو عملی طور پر استعمال کرنے کی کوشش کی ہے، کہنا ہے کہ اس کے ذریعے وہ بہت سے عملی مسائل کو حل کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ ان مصنفین میں سے سورن گرائنڈ..(Soren Grind)..نے جو کہ ماہر نفسیات اور نفسیاتی معالج بھی ہیں اپنی کتاب..Life:Your Mirror..میں مارٹی نس کے نظریات کی افادیت واضح کی ہیں۔ اس کے علاوہ میگڈالینا روسل نے..(Magdalena Rosell)..جو کہ کارولنسکا انسٹی ٹیوٹ، اسٹاک ہوم،..(Karolinska Institute, Stockholm)..میں طب سے متعلق ہیں لیکن فلسفہ سے بھی گہرا تعلق رکھتے ہیں، نے اپنی کتاب..The Rising Sun over the Science (Rosell, 2009)..میں ان خیالات کا اظہار کیا ہے کہ مارٹی نس کی کونیات..(Cosmology)..سے محققین کے بہت سے مسائل حل کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔

اول تھرکل سن..(Ole Therkelsen)..اپنی تصنیف..Martinus, Darwin and Intelligent Design (2009)..میں کہتے ہیں کہ مارٹی نس کی کونیات..(Cosmology)..ایک نئے ارتقائی نظریے کے طور پر بیان کی جاسکتی ہے اور اس نظریے کے تحت خالق کی موجودگی اور ارتقائی عمل دونوں کی حقیقت ثابت ہوتی ہے۔ یہ وہ چند مثالیں ہیں جو یہ ظاہر کرتی ہیں کہ ہم علمی و فکری اعتبار سے اب ایک نئی طرح کی سائنس کی جانب بڑھ رہے ہیں۔

ایک نئی سائنس کی جانب:

چشم ذہن..(The Eye of Mind)..اور چشم روح..(The Eye of Spirit)..جیسے نقطہ ہائے نگاہ ہمیں مجبور کرتے ہیں کہ ہم تحقیق، سائنس اور علم و فکر کو اب از سرِ نو ایک نئے زاویہ نگاہ سے دیکھیں۔ نئے سائنسی طریقے جیسے کہ کمیتی، تفسیری اور مظہریاتی طریقہ ہائے کار..(qualtitative, hemeneutical and

(phenomenological methods..وغیرہ ہمیں ایک نئی سائنس کی جانب لے جارہے ہیں۔ پر شراکت مشاہدات..(participating observations)،.. بیانیہ طریقہ کار..(narrative method)، ..یاداشتی طریقہ کار..(memory method)،.. عملیاتی تحقیق ..(actions research)،..باہم کاری طریقہ.. (interactive method)،.. اور نسلیاتی طریقہ کار..(ethnographic methods)،.. وغیرہ کچھ ایسے سائنسی طریقہ کار ہیں جو کمیتی..(qualitative).. کہلاتے ہیں اور جو چشم ذہن کے تناظر..(The Eye of Mind Paradigm)..میں استعمال ہوتے ہیں۔ ان طریقہ ہائے کار کے مستقبل کے متعلق ابھی کچھ کہنا قبل از وقت ہے، لیکن ان میں سے کچھ بہر حال ترقی کی بہت سی منازل طے کریں گے۔ جیسا کہ ہم سماجی بشریات ..(Social Anthropology)..میں کی جانے والی تحقیقات میں دیکھ سکتے ہیں۔

مختصراً یہ کہ ہمیں اپنی علمی و فکری صلاحیتوں کو اس طور پر بہتر بنانے کی ضرورت ہے کہ ہم کسی حقیقت کے مطالعہ کے لیے اس کے اندر جا کر، اس کے اندر رہ کر، اسے دیکھ سکے اور بیک وقت اس کی کلیات پر بھی نظر رکھ سکیں اور اس کے ساتھ ساتھ ایسی زبان و بیان پر بھی قدرت رکھتے ہوں کہ اس حقیقت کے باہر رہنے والوں یا اس حقیقت کو باہر سے دیکھنے والوں کو اس کا پتہ دے سکیں۔ اب تک جو کام بہت سی کسری.. (fragmented) ..شکلوں میں ہوا ہے ہمیں اسے تالیف.. (synthecise)..کرنا پڑے گا اور ان تحقیقات کو چشم ذہن..(The Eye of Mind)..اور چشم روح..(The Eye of Spirit)..کے تناظر میں رکھ کر بھی دیکھنا پڑے گا۔

چند سوالات

- ☆ کیا اس تھیوری میں کوئی جان ہے؟
- ☆ کیا اس تھیوری کو مزید Develop کیا جانا چاہیے؟
- ☆ کیا مسلمان مفکرین اور اہل علم کو اس تھیوری کی روشنی میں اہل مغرب کی کوئی مدد کرنی چاہیے؟
- ☆ کیا اسلام کی علمی و فکری تاریخ و روایات کو سامنے رکھتے ہوئے اس نوعیت کی کوئی تھیوری Develop کی جانی چاہیے؟
- ☆ کیا اس تھیوری کے آخری پیراڈائم کو اسلامی تصوف کے تناظر میں دیکھا جاسکتا ہے؟
- ☆ کیا مسلمان سائنسدان / سوشل سائنسدان / میڈیکل Practitioners / pedagogs وغیرہ کو اس تھیوری کے مطابق "Holistic paradigm" اختیار کرنا چاہیے؟
- ☆ کیا اسلام کا روحانی علاج / خانقاہی نظام وغیرہ اور اس تھیوری کی اپلائڈ شکل میں کچھ مماثلت ہو سکتی ہے؟
- ☆ کیا اس تھیوری کو سامنے رکھتے ہوئے اسلام اور مغرب میں صلح صفائی کا کوئی دروازہ کھل سکتا ہے؟

☆☆☆